تاریخ و سیر

مولانا ذکی الرحمان لکھوی

دولتِ انقلابی اسلامی افغانستان

پس منظر اور تعارف

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین و علیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین، اما بعد۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ جو قوم اللہ کے دین کی سربلندی اور کفر کے انسداد کے لیے سربکف ہو جاتی ہے، اس قوم کی اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور مدد کرتا ہے۔ اگرچہ تمام باطل قوتیں اس قوم اور جماعت کو دنیا سے مٹانے کے لیے متحد ہو جائیں، اس پُرخلوص اور کفن بردوش قوم کو شکست نہیں دے سکتیں۔ ہاں اس قوم کو بظاہر جب بھی شکست کا سامنا کرنا پڑا ہے تو وہ یا تو اس وجہ سے کہ انہی کا لبادہ اوڑھنے والے لوگ انہیں دھوکہ دیتے رہے یا مسلمان نما حاسدوں کے حسد کی وجہ سے انہیں نقصان پہنچا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب سے شرارِ بولہبی چراغِ مصطفویؐ سے ستیزہ کار رہا ہے۔ اس وقت سے آج تک یہ چراغ پھونکوں سے بجھایا نہیں جا سکا۔ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ!

اور جب بھی طاغوتی قوتوں نے اللہ کی سرزمین پر بغاوت کا علم بلند کیا تو اس بغاوت کے استحصال کے لیے قرآن و حدیث کے متوالے اپنی جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں نکل آئے اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی یقیناً مدد فرمائی۔ اور جب بھی کسی ملک میں طاغوتی قوتوں نے سر اٹھایا تو کتاب و سنّت کے علمبردار اس کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ہر طرف سے "جَاھِدُوْا" کی صدائے دلنواز آنے لگی۔

تاتاریوں نے اقوامِ عالم پر ظلم و بربریت کا آغاز کیا تو امام ابنِ تیمیہؒ سے یہ

ظلم و عدوان دیکھا نہ جا سکا۔ انہوں نے مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور ان کے دلوں میں جہاد کا ایک نیا ولولہ پیدا کر کے انہیں عملی میدان میں لے آتے جس نے تاتاریوں کے عالمگیر خواب کو خاک میں ملا کر رکھ دیا۔

جب ترکوں نے حرمین شریفین میں شرک و بدعت پھیلا کر لوگوں کے دلوں سے اللہ کی کبریائی اور وحدت کو نکال کر قبروں اور غیر اللہ کی بڑائی جاگزین کر دی تو شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہابؒ نے نجد کے ریگستانوں میں لوگوں کے دلوں میں اللہ کی توحید و عظمت کا نقش قائم کرنے کے لیے شب و روز جدوجہد کی اور جانگسل کارنامے سر انجام دیے۔ بے سروسامانی کے باوجود اللہ کی مدد سے ترکوں کے مشرکانہ غرور کو توڑ کر اللہ تعالیٰ کی وحدت کا عَلَم سر بلند کر دیا۔

جب ہندوستانی مسلمانوں پر مرہٹوں، سکھوں، انگریزوں اور فرانسیسیوں کے چارگونہ ظلم و ستم نے جینا تنگ کر دیا تو مسلمانوں کو مذکورہ بالا اقوام کے ظلم و ستم سے نجات دلانے کے لیے سید احمد شہیدؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ میدانِ جہاد میں نکلے اور مسلمانوں میں اسلام کی سربلندی کے لیے ایک نئی روح پھونک دی۔

اسی طرح افغانستان میں جب سامراجی نظام اپنے ظلم و استبداد کے پنجے گاڑ رہا تھا، اس وقت سے علماء حق توحید و رسالت کے پروانوں کے دلوں کو کتاب و سنّت کے نور سے منور کرنے میں کوشاں تھے اور سامراجی قوتیں اس نور کو بجھانے میں مصروف رہیں۔ ان طاقتوں کی معنوی کشمکش میں بالآخر روسی دیو استبداد نے افغانستان کو آ دبوچا۔ تو پھر کتاب و سنّت کے پروانے روس سے ٹکرانے کے لیے بے خطر میدانِ جہاد میں کود پڑے۔

چنانچہ نورستان کی پہاڑیوں اور درہ پیچ کی وادیوں سے کتاب و سنّت کے یہی علمبردار اٹھے اور روس کی طاغوتی طاقت کے سامنے سینہ سپر ہو گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ افغانستان پر یلغار کرنے والی طاغوتی طاقت کے سامنے سب سے پہلے نورستان کے جاں نثار ہی سینہ سپر ہوتے۔ درہ ویگل نورستان کے لوگوں نے انقلاب کے چوبیسویں دن سامراجی طاقت کے سامنے آواز اٹھائی اور شرقی نورستان کے لوگ انقلاب کے پانچویں مہینے افغان سوشلسٹ حکومت

کے خلاف میدانِ جہاد میں اُتر آئے۔ ان کے علاوہ پورے افغانستان کے مسلمان اس عملِ جہاد میں حصّہ لینے پر مبارکباد کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی نصرت اور مدد فرمائے۔ آمین!

نورستان اور درہ پیچ کے مسلمان اس وقت روسی طاقت سے نبرد آزما تھے، جبکہ ان کو کھانے پینے کے لیے کسی طرف سے کسی قسم کی امداد میسّر نہیں تھی۔ یہ مجاہد بے سروسامانی کے عالم میں فقط خداوندِ قدوس کی نصرت پر ایک سُپر طاقت کے ساتھ شب و روز جہاد میں مصروف تھے۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ افغانستان کی سرزمین پر ایک مملکت بنام دولتِ انقلابی اسلامی افغانستان قائم ہو چکی ہے۔ جو بحمد اللہ باحسن و خوبی اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہے۔ اب تک اس کی امداد پاکستان کے اہلحدیث بھائیوں نے کی ہے، چنانچہ راقم الحروف کے توسّط سے نورستان شرقی و غربی اور درہ پیچ جو نورستان وسطی کی ابتداء ہے، درہ نور وغیرہ تک نقدی، کپڑے، ادویات — مورچوں میں کھانے کے لیے چینی، چائے، گڑ اور دریا عبور کرنے کے لیے جالوں اور ٹیوب وغیرہ کی امداد پہنچائی گئی ہے۔ میں ان تمام معاونین حضرات کا شکر گزار ہوں، بالخصوص جناب مولانا محمد یوسف صاحب مرحوم گکھڑوی، جناب مولانا خالد صاحب گھرجاکھی، جناب قاری محمد یحییٰ خاں صاحب اور حکیم محمود صاحب وغیرہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ نیز اپنے مسلک کی اعانت و اشاعت کے لیے اپنے شب و روز ایک کر کے کسی قسم کی امداد سے دریغ نہیں کیا۔

یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ کتاب و سنّت کے علمبرداروں کو کسی قسم کی مالی امداد نہیں دی گئی جو دوسرے ملکوں سے ان مفلوک الحال افغانیوں کی امداد کے لیے آ رہی ہے۔ ان کی نگاہیں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی اعانت اور اپنے سلفی بھائیوں کی پُرخلوص دُعاؤں کی منتظر ہیں۔

ہم بھی دُعاگو ہیں کہ ربّ کائنات سرزمینِ افغانستان کو رُوس اور روس کی ہمنوا حکومت کے تسلط سے پاک کر کے اس سرزمین کی مکمل زمامِ اقتدار قرآن و حدیث کے حاملین کے ہاتھوں میں دے دے اور دنیا کے کونے کونے میں، جہاں

مسلمان کسی بھی غیر مسلم ظالموں کے شکنجے میں کسے ہوتے ہیں، ان کو نجات دے کر تمام عالم کی زمام حکومت قرآن و حدیث کے عاملین کے ہاتھ میں دے دے۔ آمین یارب العالمین۔ (ابو عمر عبدالعزیز النورستانی)

تعارف

نورستان کا محل وقوع:

نورستان، صوبہ بدخشاں کے جنوب میں صوبہ کنڑ اور لغمان کی شمالی تین وادیوں پر مشتمل ہے۔ نورستان کے مغرب کی طرف پنج شیر (صوبہ کاپیسا) اور مشرق کی طرف پاکستان کا علاقہ چترال اور دیر ملا ہوا ہے۔ یہ علاقے زیادہ تر پہاڑوں پر مشتمل ہیں اور مشہور سلسلہ کوہ ہندوکش کے دامن میں واقع ہیں۔ تینوں وادیوں کی مشرقی وادی کو شرقی نورستان، درمیانی وادی کو وسطی نورستان اور غربی وادی کو غربی نورستان کہتے ہیں۔ وسطی نورستان کے تین حصے ہیں۔ ایک کو پارون[1] دوسرے کو کنیتوا[2] اور تیسری وادی کو وائیگل[3] کہتے ہیں جبکہ غربی نورستان چار چھوٹی چھوٹی وادیوں میں بٹا ہوا ہے۔ پہلی وادی کو کلم دوسری کا نام شوک، تیسری کا نام پوشال اور چوتھی کو پاردیش کہا جاتا ہے۔

نورستانی قوم:

نورستانیوں کا دعویٰ ہے کہ وہ نسلاً خاندانِ قریش سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی تہذیب و تمدن، عادات اور مزاج اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آبائی طور پر عرب کے مہاجرین ہیں۔ اس دعویٰ پر ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اپنی تہذیب کے لحاظ سے یہ قوم اپنے اردگرد کے قریبی علاقوں کی قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ فتح مکہ کے وقت اسلام سے فرار ہو کر عراق میں داخل ہوئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تعاقب کیا تو بھاگتے ہوئے کابل تک پہنچ گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرۃ رضی اللہ عنہ کی کمان میں کابل تک مجاہدین آئے تو انہوں نے جلال آباد کے نواح میں حکامہ نامی جگہ پر پناہ لی۔ کچھ عرصہ بعد مقامی لوگوں سے تعلقات خراب ہونے پر مذکورہ بالا وادیوں میں پناہ لے کر یہیں کے ہو رہے۔

تہذیب و تمدن:

تمام نورستان میں لوگوں کا ذریعہ معاش کھیتی باڑی، بھیڑ بکریاں اور گائے پالنا ہے۔ دوسرے علاقوں سے بلند پہاڑوں کی وجہ سے کٹا ہونے کی بنا پر افغانستان کی کرنسی بھی وہاں بہت کم چلتی ہے۔ زیادہ تر لین دین گائے بکری اور بھیڑوں کے ذریعہ سے کرتے ہیں۔ پسماندگی کا یہ حال ہے کہ کپڑا، جوتا، چینی، نمک، ماچس، مٹی کا تیل اور دیگر تمام مصنوعی اشیائے صرف چترال (پاکستان) سے درآمد ہوتی ہیں۔ داؤد کے دور میں کابل سے برگ متال تک ٹرک آتی تھی جو مسلسل سوشلسٹ لشکروں کی تباہی کی وجہ سے کچھ تو ٹوٹ گئی اور کچھ مجاہدین نے مزید خطرے سے بچنے کے لیے کاٹ ڈالی سے بند کر دی ہے۔ نورستان کو چترال سے ملانے والے دو راستے (گرم چشمے والا اور بمبرت والا) دسمبر سے اپریل تک ہر قسم کی آمد و رفت کے لیے برف باری کی وجہ سے بند رہتے ہیں۔ ننگ یار سے ایک راستہ روسی چوکی کے قریب سے گزر جاتا ہے جو کچھ وجوہات کی بنا پر دو سال بند رہنے کے بعد اب کھلا ہے۔ یہ راستہ سارا سال کھلا رہتا ہے مگر جب روسی چوکی کے قریب سے گزرنا ہوتا ہے تو کسی بھی اچانک حملہ کے پیشِ نظر پُر خطر بھی ہے۔ نورستان کے بعض پہاڑوں میں نیلم، فیروزج اور لاجورد قسم کا قیمتی پتھر پایا جاتا ہے، جسے بغیر ڈرل مشینوں کے نکالنا جان جوکھوں کا کام ہے اور مشینری وہاں بالکل ناپید ہے۔ لوگ مٹی کا تیل روشنی کے لیے بڑی مشکل سے لیکر جاتے ہیں کجا یہ کہ مشینیں مہیا کریں۔

پیداوار:

پورے نورستان میں برف کی وجہ سے سارے سال میں ایک فصل کی کاشت کی جاتی ہے۔ صرف وادی وائیگل میں دو فصلیں کاشت کی جا سکتی ہیں۔ شرقی نورستان میں زیادہ تر مکئی اور سبزیات میں سے آلو، حلوہ کدو، لوبیا اور مٹر کاشت کیا جاتا ہے۔ سرد علاقے کا ہر قسم کا پھل وہاں پایا جاتا ہے، مگر لوگ زیادہ تر توت، اخروٹ، خوبانی سیب، انگور، آلوچہ، آڑو، انار اور عناب وغیرہ کی باغبانی کرتے ہیں۔

وسطی نورستان میں زیادہ تر گندم کاشت کی جاتی ہے اور سبزیات میں سے آلو، حلوہ کدو، پھلوں میں سے مذکورہ پھلوں کے علاوہ خودرو جنگلی بادام اور چلغوزہ تو بہت

ہوتا ہے۔ یہی صورت حال غربی نورستان کی ہے، نورستان میں چلغوزہ تو بہت ہوتا ہے مگر لوگ ذخیرہ کرنے کے شوقین نہیں ہیں۔

یہ لوگ گرمیوں میں اپنے اپنے ریوڑ لے کر بلند چراگاہوں کی طرف نکل جاتے ہیں اور گھاس اگا کر سردیوں کے لیے ذخیرہ کر لیتے ہیں۔ دودھ کی پیداوار بہت ہے جس سے پنیر، گھی اور کروت تیار کرتے ہیں۔ گرمیوں میں کروت اور پنیر سالن کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور سردیوں میں گوشت کثرت سے کھاتے ہیں۔

جیساکہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، نورستان میں زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ اس کے نقشے سے آپ اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آبادی کے قابل علاقہ کس قدر ہے؟ اور جو علاقہ آبادی کے قابل ہے، اس میں سے بھی آبادی صرف ان علاقوں میں ہے جو چوڑائی میں دوسرے علاقوں کی نسبت زیادہ فراخ ہیں، لوگ اپنے گھر نہایت مختصر اور خوب صورت بناتے ہیں۔ جنگلوں میں دیار کی لکڑی عام پائی جاتی ہے، پتھروں اور بڑے بڑے شہتیروں کی مدد سے دیواریں بناتے ہیں اور لکڑی کی نہایت مضبوط چھتیں تیار کرتے ہیں۔ جیساکہ برصغیر کے دیہاتوں میں بیگار کا رواج ہے، اسی طرح وہاں بھی رواج ہے۔ مکان بناتے وقت صرف لکڑی کی مزدوری پر اخراجات اٹھتے ہیں۔

کفر سے اسلام تک:

آج سے تقریباً پون صدی قبل ۱۸۹۶ء تک یہ لوگ بت پرست تھے۔ جنات سے امداد طلب کرتے اور ان کے نام پر مال کی قربانی دیتے۔ ہر وادی میں ایک جنّ کو ذمہ دار بناتے۔ گویا جس طرح کہ عرب قبائل مشرک اور بت پرست تھے، یہی حال ان کا تھا۔

اولادِ نرینہ کو بہت پسند کرتے حتیٰ کہ اپنی لونڈیوں کو اظہارِ خوشی میں آزاد کر دیتے۔ عورتوں کی خرید و فروخت کرتے، اموال کی تقسیم بالاقلام کرتے، دوسری قوموں کے ساتھ لڑائی میں غلام بنا کر ان سے جبری کام لیتے۔ غرض کہ عقائد، سماج اور معاش کی برائیوں میں اپنے آباء و اجداد سے کسی طرح کم نہ تھے۔

۱۸۹۶ء میں امیر عبد الرحمٰن (والیٔ افغانستان) نے ان قبائل کو زیر کرنے

کے لیے غربی نورستان پر حملہ کر دیا۔ اگرچہ یہ نہتے تھے مگر امیر عبدالرحمٰن ؒ نے پھر حملہ کر دیا، اور راستوں کے مسدود ہو جانے، ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ نہ ہونے اور پھر نہتے ہونے کی وجہ سے یہ لوگ مغلوب ہو گئے۔ والئ افغانستان انہیں سے تقریباً سوا دو سو افراد اپنے ساتھ کابل لے گیا تا کہ انہیں دین سے آشنا کروا سکے۔ آنے والے سال اس نے نورستان وسطی پر چڑھائی کر کے فتح کر لیا اور بہت سے مبلغین لا کر ان میں چھوڑ دیے۔ پھر کچھ سال بعد شرقی نورستان پر یلغار کر دی کافی جدّوجہد کے بعد انہیں بھی مغلوب کر لیا گیا اور یہاں کچھ مبلغین بھیج دیے گئے مگر بعض قبائل نے کچھ مبلغین کو قتل کیا اور پاکستانی علاقہ بمبرت، اڑمبور گرم چشمہ گابور اور درروش کے علاقہ کو سدھار گئے اور وہیں آباد ہو رہے ہیں۔ بعد میں اپنے قبائل سے میل ملاپ کی وجہ سے انہوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔

امیر عبدالرحمٰن کے مذکورہ واقعہ کے بعد یہ تمام قبائل حنفی المسلک ہی چلے آ رہے تھے مگر آج سے تقریباً تیس سال قبل ایک ایسی تحریک اٹھی جس نے ان لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی، اس سلفی تحریک کے مجدّدین میں سے سرِ فہرست مولانا محمد ابراہیم صاحب، مولانا محمد افضل صاحب اور مولانا محمد اسحاق صاحب ہیں۔

مولانا محمد افضل صاحب کے مختصر حالات:

آپ کا آبائی گاؤں نیک موک (سابقہ نام بدھ موک) شرقی نورستان میں برگ متال سے کامدیش کی طرف ایک گھنٹہ کے پیدل فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے والد کا نام سید محمد تھا، جو جید حنفی عالم تھے۔ آپ کے بھائی مولانا محمد نور صاحب حال قاضی حقوق (سول جج) ہیں۔ جب آپ تقریباً دس سال کے ہوئے تو آپ کے والد نے آپ کو دینی تعلیم کے لیے آپ کے بڑے بھائی مولانا محمد نور صاحب کے پاس بھیج دیا۔ تین سال تک ابتدائی فنون کی کتابیں پڑھتے رہے، پھر پاکستان کے شمالی علاقہ بلینگورہ اور سوات کے مختلف مدارس میں تین سال تک ابتدائی کتابیں پڑھتے رہے۔ مدرسہ سے چھٹیاں ہونے پر وطن واپس آئے اور پھر کچھ عرصہ گھر رہنے کے بعد لوگرا اور کابل کے مدارس کو روانہ ہوئے۔ دو اڑھائی سال کے بعد دوبارہ پاکستان کو چل نکلے اور پشاور و مردان کے مختلف مدارس میں زیرِ تعلیم رہے،

اور پھر آٹھویں سال دارالعلوم حقانیہ اکھوڑہ خٹک میں دورۂ حدیث مکمل کر لیا۔ اس دوران صرف کتاب وسنت کا ہی مطالعہ کیا۔

تعلیمی عرصہ کے دوران مولانا محمد ابراہیم صاحب سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی رہیں، مولانا محمد ابراہیم چونکہ مولانا موصوف سے قبل سلفی عقیدے کا زیور پہن چکے تھے۔ اس لیے آپس کی ملاقاتوں سے مولانا موصوف دورۂ حدیث کے دوران ذاتی مطالعہ اور کچھ بحث وتمحیص سے سلفی عقیدہ اپنا چکے تھے۔ مولانا محمد افضل صاحب جب تعلیم سے فارغ ہو کر وطن واپس آئے تو آبائی گاؤں نیک موک میں فرداً فرداً تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ حقیقت پسندی کا وہ جذبہ جو دل میں پیدا ہو چکا تھا پروان چڑھ گیا اور سلفی عقیدہ میں اس قدر یگانہ ہو گئے کہ جس کسی سے بحث کرتے، لاجواب کر دیتے۔

مولانا محمد ابراہیم کے مختصر حالات:

آپ نورستان کے سرحدی گاؤں پشاور میں ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئے، والد کا نام خان محمد تھا جو علمی لحاظ سے حنفیت میں صرف سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ بیس سال کی عمر سے قبل اپنے ماموں محمد اسلم سے فقہ میں ہدایہ تک تعلیم مکمل کر لی، پھر پاکستان کے شہر پشاور کے نواح میں واقع گاؤں ترنو کے مدرسہ میں دو سال تک صرف ونحو اور ابتدائی منطق کی کتب پڑھنے کے بعد وطن واپس آ گئے۔ آئندہ سال تہکال بالا میں مولانا عبدالهادی کے والد ماجد مولانا عبداللہ جان کے پاس قرآنِ مجید کا ترجمہ مع تفسیر اور مشکوٰۃ کا کچھ حصّہ تین ماہ میں پڑھا۔ مولانا عبداللہ جان صاحب سے عقیدہ سلف میں زانوئے تلمّذ تہ کرنے کے بعد فرطِ مسرت میں جذبۂ حق گوئی کے ساتھ وطن واپس ہوئے اور خوب دعوتِ حق دینی شروع کر دی۔ کچھ عرصہ کے بعد دوبارہ تعلیم کے لیے کراچی میں مولانا عبدالستار صاحب کے پاس دو سال تک حدیث پڑھتے رہے۔ پھر گوجرانوالہ میں شیخ الحدیث والتفسیر حافظ محمد صاحب سے تین ماہ تک بخاری پڑھتے رہے۔ اس کے بعد سوات میں تین سال تک منطق، حکمت، ریاضی اور علمِ ادب پڑھتے رہے اور پھر وطن لوٹ آئے۔ آبائی گاؤں میں درسِ حدیث شروع کر دیا۔ جب لوگوں نے درسِ حدیث سنا اور فقہ حنفی کی کارفرمائیاں واضح ہو گئیں تو گاؤں کے بلیغ امام ملّا جان محمد ترکستانی کو سوالیہ نظروں کا سامنا کرنا پڑا اور اس نے مسجد سے چراغ اٹھوا لیا تاکہ

درس جاری نہ رہ سکے۔ مولانا موصوف نے اپنے چند شاگردوں سے چترال سے تیل اور چراغ منگوا کر درس جاری رکھا جب پلیشن امام نے کام بنتا نہ دیکھا تو آبائی علاقہ ترکستان کو فرار ہو گیا، ادھر شر پسندوں نے ضلعی حکام، پھر صوبائی حکام کو مولانا کی رپورٹیں دینی شروع کر دیں جن کے ایماء پر آپ کو جیل بھیج دیا گیا۔ کافی صعوبتیں جھیلنے کے بعد اس شرط پر رہا کر دیے گئے کہ آئندہ درس حدیث سے باز آئیں گے ورنہ پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ گاؤں واپس آنے کے بعد خفیہ طور پر درس جاری رکھا مگر جب دوبارہ کابل رپورٹ کر دی گئی کہ یہ شخص باز نہیں آتا، تو آپ اپنے عزیز واقارب کی جانوں کے خوف سے ہجرت کر کے پارون (نورستان وسطی) کو چل دیے اور اس وادی کے مشہور گاؤں اشٹیو میں درسِ حدیث کا سلسلہ جاری کر دیا۔ مقامی عوام کی طرف سے دوبارہ کابل رپورٹ ہونے پر پولیس کی ایک گارد گرفتار کرنے کو پہنچ گئی۔ پولیس کی آمد سے قبل آپ کو اطلاع ہو چکی تھی، آپ مسجد میں درسِ حدیث دے رہے تھے کہ ایک مخبر حالات کا جائزہ لینے کے لیے آیا، آپ کو درس حدیث میں مصروف پاکر چل دیا، ادھر مولانا موصوف نے بھی اس کے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ مخبر نے انسپکٹر کی راہ لی کر مولانا موصوف نے اپنا راستہ ایک اونچی چٹان کی طرف کر لیا اور اس پر بیٹھ کر پولیس کے گھیراؤ کا نظارہ کرنے لگے۔ پولیس نے مسجد کے گھیراؤ کے بعد جب مسجد کی تلاشی لی تو مولانا موصوف کے علاوہ صرف شاگردوں کو محوِ مطالعہ حدیث پایا۔ شاگردوں کو گرفتار کرنے کے بعد پورے گاؤں کا محاصرہ کر لیا گیا۔ صبح کے وقت جب گاؤں میں آپ کو نہ پایا گیا تو گاؤں سے نکلنے والے راستوں کی ناکہ بندی کر دی مگر مولانا موصوف نے ایک انتہائی پرخطر راستے سے دوسری وادی کنیتوا کی راہ لی۔ پولیس جب آپ کو گرفتار کرنے میں ناکام رہی تو ناکامی کا بدلہ رپورٹیں دینے والے لوگوں کی گرفتاری اور پٹائی کی صورت میں دیا۔ آخر جب رہا ہوئے تو انہوں نے آئندہ شکایت کرنے سے توبہ کر لی تو آپ حالات معمول پر آنے کے بعد دوبارہ واپس آ گئے۔

تحریک کی ابتداء و آزمائش:

نورستان وسطی میں مولانا ابراہیم صاحب آوازۂ محمدیؐ کے لیے اپنا تن، من، دھن وقف کیے ہوتے تھے، ادھر مولانا محمد افضل صاحب اپنے گاؤں میں

دعوتِ حق دیے جا رہے تھے اور تیسرے مردِ مجاہد مولانا محمد اسحاق صاحب اپنے آبائی گاؤں پیٹروک میں فرض کی ادائیگی میں کوشاں تھے۔ قرآن و حدیث کا یہ فیضان دیکھ کر جامد قسم کی تقلید تلملا اٹھی۔ جسمانی تکالیف اور اذیت سے آزمائش شروع ہو گئی۔ قتل کی دھمکیاں دی گئیں۔ مساجد سے دھکے دے کر نکال دیا گیا اور پھر جب علاقہ کے بڑے بڑے علماء حنفیہ آوازِ حق کی تاب نہ لا سکے تو گورنر کے پاس جا پہنچے اور شکایت کی کہ تینوں ملحدین (نعوذ باللہ) ملک کے سرکاری مذہب کے خلاف آواز اٹھا کر آئے دن لوگوں کو ملحد بنا رہے ہیں۔ گورنر کے فوری حکم پر تینوں مبلغین حق کو آناً فاناً حاضر کر دیا گیا۔ مگر جب اس نے یہ محسوس کیا کہ وہ اپنے اندر حقائق کو ٹھکرانے کی جرأت نہیں پاتا تو یہ مقدمہ کابل روانہ کر دیا۔ چونکہ انہوں نے سرکاری مذہب کے خلاف آواز اٹھائی تھی۔ اس لیے ان کے خلاف کابل سپریم کورٹ میں توہینِ عدالت کا مقدمہ دائر کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ جب عدالتی کارروائی ہوئی تو گورنمنٹ افغانستان کی نگرانی میں کئی مناظرے بھی ہوئے جس میں بڑے بڑے شہ زور علماء احناف کو دلائل کی تاب نہ لانے پر سخت پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا، بار بار موصوفین کو پکڑا گیا، زدوکوب کیا گیا مگر حق کا جذبہ دبایا نہ جا سکا۔

احناف کے احساسات:

اسی دوران مولانا محمد ابراہیم صاحب کو ظاہر شاہ نے کہا کہ ملک کے دستور کے مطابق ہر سربراہِ مملکت کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلکاً حنفی ہو۔ مولانا موصوف نے فرمایا کہ ایسا کرنا سربراہِ مملکت کے لیے ضروری ہے، میں تو سربراہ نہیں ہوں۔ آخر جب گورنمنٹ نے موصوفین کے دلائل مضبوط پائے، اور تو کوئی سزا نہ دے سکے مگر اشٹام پر یہ لکھوا لیا گیا، آئندہ تم لوگ آوازۂ حق بلند نہیں کرو گے۔ ورنہ پھانسی کے پھندے تمہارے لیے تیار ہیں۔ اسی وجہ سے موصوفین اپنا علاقہ چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئے، ایک سال پردیس میں گزارنے کے بعد جب حالات نے کچھ پلٹا کھایا تو اپنے اپنے گاؤں میں واپس آ گئے۔ اب چونکہ افرادی قوت بڑھ چکی تھی اور خدا کی مدد سے حمایت میں لوگ پیش پیش تھے۔ اس لیے اب پہلے سے زیادہ سرگرمی سے قرآن و حدیث کی تبلیغ شروع کر دی۔ ابتدائے تحریک میں موصوفین

کی سخت مخالفت کی گئی تھی۔ مگر ایک دور ایسا بھی آیا کہ بعض علمائے احناف نے بھی شرک و بدعت، غیر اسلامی رسومات کے خلاف موصوفین کا بھرپور ساتھ دیا اور اب تک اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ان کے تعاون میں کوشاں ہیں۔

انقلاب:

ظاہر شاہ کے دور میں ہر سُو علمائے حق سلفی دعوت کی اشاعت میں مصروف تھے۔ اسی طرح بعض حق گو قسم کے علمائے احناف بھی شرک و بدعت کے خلاف ان کے ساتھ اتحاد کر چکے تھے۔ تو اس وقت ظاہر شاہ کی منافقانہ پالیسیوں سے نمٹنے کے لیے تمام شرقی نورستان کے علماء اکٹھے ہوئے اور مولانا افضل صاحب کو اصلاحِ احوال کے لیے اپنا مشترکہ امیر چُن لیا۔ کام جاری تھا کہ داؤد خلق اور پرچیم کی شہ پر کرسی اقتدار پر براجمان ہوا تو علمائے اسلام کو فکر ہوئی کہ خدا نخواستہ یہ انقلاب سوشلسٹ زور نہ پکڑ جائے۔ انہوں نے دوبارہ اجلاس میں مولانا محمد افضل صاحب کو اپنا امیر مقرر کر کے تجدیدِ عہد کیا اور عوام میں زور شور سے کام شروع کر دیا۔ اور پھر اچانک نور محمد ترہ کئی کرسیٔ اقتدار پر نمودار ہوا تو اس نے کھلم کھلا ملحدانہ کام کرنے شروع کر دیے اور روسی مشیروں کو آزادانہ عمل دخل کی اجازت دے دی۔ اس پر میزان ۱۳۵۷ شمسی ہجری میں شرقی نورستان کے تمام علمائے سلف اور احناف اکٹھے ہوتے اور مولانا محمد افضل کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے یہ عہد کیا کہ ہم ان شاء اللہ تعالیٰ افغانستان میں اسلامی جھنڈا بلند کرتے ہوئے کتاب و سنت کے نفاذ کا عملی قدم اٹھائیں گے اور پھر باقاعدہ منصوبہ بندی شروع ہو گئی۔ ابھی یہ تحریک انہی مراحل میں تھی کہ کابل میں اطلاع ہو گئی کہ بغاوت ہونے والی ہے، تو گورنمنٹ نے وہ گاؤں، جو کامدیش چھاؤنی کے متصل تھا اور جہاں سے بغاوت کی ابتداء ہونے والی تھی، تہس نہس کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ خبر علماء کو پہنچ گئی تو پیشتر اس کے کہ روسی ایجنٹ اور کمیونسٹ وحشی گورنمنٹ حملہ کرتی، مجاہدین نے تحصیل کامدیش پر حملہ کر دیا اور ساتھ ہی مذکورہ چھاؤنی کی شاخ برگ متال پر بھی ہلّہ بول دیا۔

اس اجمال کی مکمل تفصیل یوں ہے کہ کامدیش چھاؤنی پر حملہ کرتے وقت مولانا

عبداللہ طویل کی کمان میں مجاہدین کی تعداد تقریباً چار سو تھی، ان کے پاس صرف ایک سو عدد درّے کی بنی ہوئی نہایت پرانے ماڈل کی ایک فائر کرنے والی رائفلیں تھیں اور باقی مجاہدین کے پاس کلہاڑے، بیلچے، ڈنڈے اور کچھ مجاہدین کے پاس دستی بم تھے۔ ادھر چھاؤنی کے اندر چار سو سے زائد افراد کلاسن کوفوں، مشین گنوں، راکٹ لانچروں، ہلکی مشین گنوں اور بکتر بند گاڑیوں سے مسلح تھے۔ تین دن مجاہدین نے چھاؤنی کا گھیراؤ رکھا اور خوب مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر تیسری رات کو دو مجاہدین دستی بموں سے لیس ہو کر چھاؤنی کے اندر گھس گئے۔ پھر خوب گھمسان کا رن پڑا اور ایک سو ستّر سوشلسٹ تمام اسلحہ، بیس مقتولین اور کچھ زخمی چھوڑ کر بھاگتے بنے اور بعض کو گرفتار کر لیا گیا۔ ادھر برگ متال میں، جن میں سپاہیوں اور سوشلسٹوں کی تعداد تین سو کے لگ بھگ تھی اور جو ہر قسم کے ہلکے اسلحہ سے مسلح تھے، ان کو صرف اڑھائی سو مجاہدین نے مذکورہ رائفلوں اور دستی بموں سے ایک رات میں مغلوب کر لیا۔

جب مجاہدین نے مذکورہ دونوں چھاؤنیوں کو فتح کر لیا تو شرقی نورستان کی آخری حدود میں واقع، سوشلسٹ افغانستان کے صوبہ کنرھا کی سب سے بڑی چھاؤنی کو چل دیے۔ ابھی راستے میں ہی تھے کہ جلال آباد سے بہت بڑا بکتر بند دستہ مجاہدین کی سرکوبی اور کامدیش کو بچانے کے لیے پہنچ گیا۔ نہایت تنگ وادی میں مجاہدین اور ان کے درمیان ایک دن رات مسلسل زبردست لڑائی ہوتی رہی، آخر یہ دستہ تیس مقتولین اور بہتر قیدیوں کو مع اسلحہ مجاہدین کے ہاتھوں چھوڑ کر بھاگتا بنا۔

ادھر افغانی حکومت کے دارالحکومت میں سخت افراتفری پھیل چکی تھی۔ پھر انہوں نے جلال آباد سے لے کر صوبہ کنرہا تک کے تمام علاقے کے لوگوں کی حمایت حاصل کرتے ہوئے تقریباً پچیس ہزار مسلح افراد کے ساتھ مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ اسی مذکورہ تنگ وادی میں تین ماہ زبردست معرکہ ہوتا رہا جس میں مجاہدین کا بھی بہت جانی نقصان ہوا۔ آخر اسلحہ کی قلت اور مسلسل جنگ کی تھکاوٹ نے مجاہدین کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے دوبارہ کامدیش چھاؤنی پر قبضہ کر لیا۔ دوبارہ منظم تیاری کے بعد مجاہدین نے جلال آباد سے کامدیش کو آنے والا راستہ بند کر کے کامدیش چھاؤنی کی امداد روک دی۔ جب افغان سوشلسٹ فوج نے اپنا ناطقہ بند ہوتا دیکھا

تو جلال آباد سے ایک اور لشکر ان کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ چونکہ مجاہدین نے راستہ مسدود کر دیا تھا اور مذکورہ آنے والی کمک کی گھات لگاتے بیٹھے تھے تا جونہی لشکر ان کی زد میں آیا تو انہوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ چالیس کے لگ بھگ فوجی گاڑیاں تباہ کر دیں، بلیس سوشلسٹوں کو قتل کیا، ایک سو بیس کو گرفتار کیا اور باقی راہِ فرار اختیار کر گئے۔ جب محصور فوج نے یہ صورتِ حال دیکھی تو بغیر پسپا ہوئے بن نہ پڑی۔ اس کے بعد صوبہ کنرہا کی بہت بڑی چھاؤنی بری کوٹ درہ پیچ اور اسمار پر یکے بعد دیگرے حملے شروع کر دیے۔ آئندہ سال برج جوزا ۱۳۵۸ شمسی ہجری میں صوبہ بدخشاں کو وسطی نورستان سے مولانا میر عالم کی امارت اور مولانا عبدالحی سلفی دجو شہید ہو چکے ہیں) کی کمان میں دو سو افراد روانہ ہوئے۔ ابھی یہ دستہ حق نونامی گاؤں میں پہنچا تھا کہ سوشلسٹ فوج نے گاؤں کا گھیراؤ کر لیا، ایک دن کے زبردست معرکہ کے بعد مجاہدین نے ان کا محاصرہ توڑ دیا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے وادیٔ منجان اور کران کو فتح کر لیا۔ پھر لاجورد پتھر کی کان، جو گورنمنٹ کے کنٹرول میں تھی، پر حملہ کر کے دو سو سوشلسٹ افراد کو قتل کر دیا۔ بعد ازاں شرقی نورستان سے تین سو افراد کا لشکر بھی ان کے پاس پہنچ گیا اور پھر انہوں نے جرم زیباک اور بارک وغیرہ کو فتح کر لیا۔ مجاہدین تھکاوٹ کی وجہ سے واپس آ رہے تھے کہ سوشلسٹ فوج نے دوبارہ جرم پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں شرقی نورستان سے مولانا حمد اللہ صاحب کی کمان میں دو سو افراد کا دستہ برف باری کا موسم وہاں گزارنے کے لیے پہنچ گیا، تاکہ مفتوحہ علاقے کی حفاظت کر سکے۔ موصوفین سارے صوبے کو فتح کرتے ہوئے مرکزِ صوبہ بدخشان فیض آباد تک پہنچ گئے، اس دوران ایک ہوائی حملہ سے مولانا حمد اللہ صاحب شہید ہو گئے اور یہ دستہ صوبہ بدخشاں کا تمام چارج جمعیت اسلامی افغانستان کو دے کر واپس ہو گیا۔ ابھی واپس ہی ہو رہا تھا کہ سوشلسٹوں کو اطلاع ملی کہ نورستانی مجاہدین واپس جا چکے ہیں تو انہوں نے دوبارہ اپنے چھینے ہوئے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

صوبہ بدخشاں کے معرکہ کے دوران پندرہ سو سوشلسٹ جہنم رسید ہوئے اور ساٹھ مجاہدین نے درجۂ شہادت پایا۔ اس علاقہ میں جتنے بھی شرک کے مراکز اور

مقبرے مجاہدین کے راستہ میں آئے، انہوں نے ان کو زمین بوس کر دیا۔ ان چند واقعات کے علاوہ چھوٹے بڑے ایسے حیرت انگیز اور رُوح پرور واقعات ہیں جن کا تحریر میں لانا مشکل ہے۔

علاقہ کی مکمل کامیابی کے بعد امیر المؤمنین مولانا محمد افضل صاحب نے ۱۳۵۹ھ میں دولت انقلابی اسلامی افغانستان کے امور کی طرف توجہ دی، بہت بڑے اجلاس میں علمائے سلف اور احناف نے کتاب وسنت کو اپنی اجتماعی اور انفرادی زندگی کے لیے ماخذ تسلیم کیا اور پھر کتاب وسنت کے عین مطابق امیر المؤمنین نے ایک مکمل اسلامی سلطنت کا اعلان کر دیا۔ اجتماعی اور انفرادی زندگی کے تمام مسائل کا حل کتاب وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ جیسا کہ اہداف الدولۃ الانقلابیۃ الاسلامیۃ الافغانیہ میں تمام نکات پر اجمالاً روشنی ڈالی گئی ہے۔

ابتدائے تحریک سے قبل:

سلفی تحریک سے قبل پورے علاقہ میں کوئی بھی موحّد نہ تھا۔ ہر طرف شرک و توہمات کا دور دورہ تھا۔ جامد قسم کی حنفیت پھیلی ہوئی تھی، کتاب وسنت کی بجائے ہر طرف شرک کے اڈے بنے ہوئے تھے، پورے معاشرہ میں عملاً غیر اسلامی رسم ورواج کا زور تھا، جاہلیت کے طور طریقے عام تھے۔ جیسے تعویذ گنڈے، جھاڑ پھونک وغیرہ۔ عورتوں اور مردوں کا دین سے بے بہرہ ہونا، گانے باجے کا عام ہونا، شادی کے لیے حق مہر کے نام پر لاکھوں روپے وصول کرنا، پسندیدہ عورتوں کا اغوا کرنا، چوری کرنا، بدکاری کرنا، اکثر کا داڑھی منڈوانا، منشیات کا عام استعمال کرنا، بے پردگی کا عام ہونا، صاحب حیثیت کا اپنے سے کمزور پر ظلم کرنا۔ غرضیکہ پورے کا پورا معاشرہ انتہائی بگاڑ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔

الحمد للہ، تحریک کے پچیس تیس سالوں میں خدا نے ان لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ عقیدتاً آپ ان لوگوں کو نہایت سلفی پائیں گے۔ جہاں پہلے جاہلی رسم ورواج اور شرک و بدعت کا عروج تھا اب وہاں ان چیزوں کا نام ونشان تک نہیں بلکہ غیر مسنون قسم کے عادات واطوار تقریباً چھوڑے جا چکے ہیں۔ تعویذ گنڈا خوب چلتا تھا۔ اب آپ پورے نورستان میں کسی ایک بچے کے گلے میں بھی تعویذ نہ ڈھونڈ پائیں گے۔

شرقی نورستان میں اب اسی فیصد، مرکزی نورستان کی وادی پارون میں سو فیصد اور وادی کتیوا میں نوے فیصد اہلحدیث ہیں اور وادی وائیگل میں پچاس فیصد اور غربی نورستان میں تقریباً چالیس فیصد اہلحدیث موجود ہیں۔ ان تمام علاقوں میں جتنے بھی احناف ہیں وہ سب کے سب شرک سے پاک عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہر گاؤں میں صرف ایک مسجد اور ایک جماعت ہوتی ہے اور ہر مسجد میں جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے۔ بعض مساجد میں عورتیں بھی نماز باجماعت ادا کرتی ہیں، برف باری کے موسم میں اکثر مساجد میں روزانہ درسِ قرآن ہوتا ہے، اسی وجہ سے اکثر لوگ قرآن کا فہم ضرور رکھتے ہیں اور بعض علاقوں میں عورتوں کی تعلیم کا انتظام ہونے کی بناء پر بلوغ المرام اور مشکوٰۃ کی عالم عورتیں پائی جاتی ہیں۔ بیاہ شادی جان جوکھوں کا کام تھا، اب دولت کے کنٹرول کی وجہ سے دس ہزار روپے سے زیادہ حق مہر کا تصور بھی نہیں ہے۔ ہر قسم کے جرائم پر بھی حدود و تعزیرات قائم ہیں مثلاً یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ (مطابق ۲ فروری ۸۴ء) کو ایک شخص محمد عمر ولد حاجی محمد رحیم اور مسماۃ بی بی کبرای زنا کے مرتکب ہوئے لیکن ارتکابِ جرم کے بعد، احساسِ جرم اور بارگاہِ الٰہی کی عدالتِ عظمیٰ کے روبرو اپنے سنگین جرم کے ساتھ پیش ہونے کے خوف نے ان مرتکبین کو دولتِ انقلابی اسلامی افغانستان کی وادی کتیوا کے امیر مولانا عبداللہ بن فضل کے روبرو پیش کر دیا۔ اور مولانا کے کتاب و سنت کی روشنی میں کیے گئے فیصلے کے مطابق دونوں تائبین کو پوری وادی کے لوگوں کی عظیم تعداد نے رجم کر دیا۔

حدودِ شرعی کے نفاذ کا دوسرا واقعہ یوں رونما ہوا کہ ۲۸ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ (مطابق ۲۹ فروری ۱۹۸۴ء) بروز بدھ، ایک شخص بہلول دانا بن عبدالحمید ساکن منڈاگل اپنے ہی گاؤں کے ایک فرد میلی بن بہادر کو چھری سے قتل کر کے فرار ہو گیا۔ دولتِ انقلابی اسلامی کی پولیس نے اسے گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا۔ مجلسِ قضاۃ کے سامنے گواہوں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا۔ بعد ازاں قاتل نے بغیر کسی جبر کے اقبالِ جرم کر لیا۔ قاتل کے ورثاء نے دیت دینے کی بہت کوشش کی مگر وارثینِ مقتول کی رضامندی نہ ہونے پر رئیس القضاۃ الدولہ، مولانا محمد اسحاق صاحب نے کتاب و سنت کی روشنی میں فیصلہ کرتے ہوئے قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا، جنہوں نے

بہت بڑے اجتماع میں اسی آلہ کے ساتھ قاتل کو اس کے انجام تک پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک فرد عبدالعزیز کو ایک لڑکی کے اغوا کرنے پر سو درّے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا دی جا چکی ہے جبکہ دو افراد کو تہمت لگانے پر اسّی اسّی کوڑے لگائے جا چکے ہیں۔

الغرض پہلے جو خطہ خدا کے عذاب کو دعوت دے رہا تھا، اب وہاں رحمتیں برستی ہیں۔ دولت کی طرف سے تمام نورستان میں نسوار اور سگریٹ کی ممانعت کے حکم نامے جاری کیے جا چکے ہیں اور عوام کو متنبہ کیا جا چکا ہے کہ ان کے استعمال کا ترک نہ کرنے پر تعزیرات کا نفاذ کر دیا جائے گا بلکہ اسلام پیٹ نامی گاؤں میں نسوار اور سگریٹ پینے پر درّے بھی لگائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں پورے نورستان میں ڈاڑھی منڈوانے کی سزا مقرر کی جا چکی ہے، صرف کٹوانے کی وبا عام ہے، جس کی وجہ بعض علمائے احناف کے وہ فتوے ہیں جو انہوں نے ڈاڑھی کٹوانے کے جواز میں دیے ہیں اور بعض مصلحتوں کی وجہ سے اس بارے میں ابھی پوری طرح سختی اختیار نہیں کی جا سکی بلکہ دولت اس مسئلہ میں یہ موقف اپنائے ہوتے ہے کہ داڑھی کٹوانے والے کو کسی عہدہ پر فائز نہیں کرتی۔

کوئی نووارد وہاں چلا جائے تو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ اس دور میں بھی اس طرح کی اسلامی معاشرہ والی دنیا ہے؟ جہاں ہر طرح سے امن، چوری، ڈاکہ، قتل، برائی، بے حیائی سب ختم ہو چکی ہے۔ مسجدیں آباد ہیں، لوگوں کو رات کو بھی پہرہ داروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایک آدمی نیک موک کا کہنا ہے کہ اس اسلامی مملکت کے وجود میں آنے سے پہلے میں نے اپنی دوکان کی چوکیداری کے لیے دو چوکیدار رکھے ہوئے تھے جو رات کو باقاعدہ چوکیدارہ کرتے۔ لیکن جب سے یہ مملکت وجود میں آئی ہے، ہمارا چوکیدارے کا خرچ ختم ہو گیا اور دنیا آرام وچین سے گھروں میں سوتی ہے۔ کہیں کسی قسم کا ڈر خطرہ نہیں ہے۔ تمام لوگوں کے جان، مال اور عزت کی ذمہ داری مملکت نے اٹھا رکھی ہے اور امن وسکون کا یہ عالم ہے کہ خلافتِ راشدہ کے دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ تمام اسلامی ملکوں کو انہی جیسا امن وجذبہ عطا فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)